ALMANZIL JOURNAL

Vol.1 No.1 2024

اردو رسم الخط کے صوتی پہلو

Phonetic Aspects of Urdu Script

صائمہ سعید

ایم فل سکالر، مسلم یوتھ یونی ورسٹی اسلام آباد

Saima Saeed:
M.Phil Scholar Muslim Youth University , Islamabad

Abstract

Urdu is largest language of subcontinent. So it has a developed system of phonetics. It also have a good script system while other local languages don't such a developed system of phonetic and script. So Urdu is language of connectivity and communication in whole subcontinent. Urdu contains a vast sounds for its speakers and other people who have relation with this language. Now in India and Pakistan, Urdu is largest language of literature and communication.

Key Words: Urdu, Phonetic, Script

کلیدی الفاظ: اردو، صوتیات، رسم الخط

برصغیر میں بہت سے حوالوں سے اردو کو ایک منفرد حیثیت حاصل ہے۔ اس زبان کا ایک جامع اور منفرد رسم الخط ہونے کے ساتھ ساتھ صوتی نظام بھی موجود ہے۔ اگرچہ اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ اردو کی برصغیر میں آمد یا یوں کہا جائے کہ اردو کی برصغیر میں تشکیل دیگر کئی زبانوں کے بعد ہوئی، لیکن کم ہی وقت میں اس زبان نے ایسی مقبولیت حاصل کرلی جو دوسری علاقائی زبانوں کو حاصل نہ ہو سکی۔ اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس زبان کا رسم الخط اور حروف تہجی کا نظام منظم اور وسیع ہے۔ جو آوازیں بھی ہم تخلیق کرسکتے ہیں تقریباً ان تمام تر آوازوں کے اظہار کے لیے اردو کے پاس حروف تہجی موجود ہیں۔ ان حروف تہجی کی تعداد کو اگرچہ تنقید کا نشانہ بنایا جاتا ہے لیکن ان کا ایک مثبت پہلو یہ بھی ہے کہ ان حروف سے اردو زبان کی وسعت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

اردو نے بھی ابتدا میں وہی رسم خط اپنایا جو دوسری زبانوں کا تھا۔ لیکن وقت کے ساتھ ساتھ اس زبان نے ترقی کی منازل طے کیں۔ ابتدا میں یہاں کی مقامی زبانیں رسم الخط کے حوالے سے فارسی کی پیروی کرتی تھیں۔ ابتدا میں دیگر زبانوں کے ساتھ ساتھ اردو کے لیے بھی خط نسخ استعمال کیا جاتا لیکن بعد میں اردو میں خط نستعلیق رائج ہو گیا۔ آج بھی ہم دیکھتے ہیں کہ یہاں کی مقامی زبانیں نسخ میں ہی لکھی جاتی ہیں، لیکن اردو نستعلیق پر منتقل ہو چکی ہے۔ خوش آئند امر یہ ہے کہ اس خط کو لکھنے کے لیے ٹائپنگ کا جدید نظام بھی تیار ہو چکا ہے اور اب اردو اپنے حقیقی رسم الخط کے ساتھ ہر انداز میں لکھی جاسکتی ہے۔ خواہ ہاتھ سے لکھنا ہو یا ٹائپ کرنا ہو، دونوں صورتوں میں خط نستعلیق استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اسی امر کی نشاندہی کرتے ہوئے محمود شیرانی کہتے ہیں:

> "فارسی خط زمانہ قدیم سے ہندی اصوات اور ہندی السنہ کے لکھنے کے لیے استعمال کیا جارہا ہے۔ ابتدا میں خط نسخ نہ صرف اردو بلکہ ہندوستان کی تمام زبانوں کے لیے مخصوص تھا۔ چنانچہ پشتو، سندھی اور پنجابی آج بھی نسخ میں لکھی جاتی ہیں۔ عالمگیر کے بعد شمالی ہند میں نستعلیق رائج ہو گیا۔ خاص ہندی اصوات کے لیے علیحدہ علیحدہ اصوات مقرر کی گئیں اور مختلف زمانوں میں مختلف طریقوں سے لکھی جاتی ہیں"[1]

حافظ محمود شیرانی نے اردو رسم الخط اور اصوات کے نظام کے حوالے سے بھی اردو کی اہمیت اور عظمت کا اعتراف کیا ہے۔ محمود شیرانی نے یہ بھی بتایا ہے کہ اردو کی ترقی کا سفر مسلسل جاری رہا۔ اس زبان میں جمود نہیں آتا بلکہ اس میں انقلابی اور نمایاں تبدیلیاں نظر آتی

ہیں۔ یہ تبدیلیاں اردو کو ترقی کے بام عروج پر لے گئی ہیں۔ اردو کے ارتقا کا یہ سفر تو اب بھی جاری ہے۔ اس کی سب سے بڑی مثال عہد حاضر کی ٹیکنالوجی میں اردو کی ترقی ہے۔ اب انٹرنیٹ سمیت ہر شعبے میں اردو دیگر بڑی عالمی زبانوں کے ہم پلہ دکھائی دیتی ہے۔ اردو کی لسانی اور صوتی عظمت کی بدولت مولوی عبد الحق نے اردو کے حروف تہجی کو ترقی یافتہ اور جامع قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ

"ان میں ہر قسم کی آواز ادا کرنے کی گنجائش ہے اور اس لحاظ سے اردو ابجد کو دنیا کی بہت سی زبانوں پر ایک طرح کا تفوق حاصل ہے"[۲]

مولوی عبد الحق کے خیال میں اردو زبان اور اصوات کا یہ نظام اس زبان کو دیگر زبانوں سے ممتاز کرتا ہے کیوں کہ علاقے کی سب زبانوں کی حدود و قیود ہیں۔ کچھ حدود ان کے صوتی نظام کی وجہ سے ہے کچھ ذخیرہ الفاظ کی وجہ سے ہے۔ لیکن اردو اس خطے کی واحد ایسی زبان ہے جس کا نظام سب سے زیادہ جامع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو زبان کو رابطے کی زبان قرار دیا جاتا ہے۔ رابطے کی زبان اسی صورت میں ہو سکتی ہے جب اس زبان میں علاقے کی سب زبانوں کے الفاظ اور ان کی آوازیں موجود ہیں۔ تاکہ کسی کو اردو بولنے میں کوئی دقت محسوس نہ ہو۔ اس کے علاوہ صوتی نظام کا ترقی یافتہ ہونا بھی بہت ضروری ہے۔ کیوں کہ بہترین صوتی نظام کے بغیر ممکن نہیں ہو تاکہ باقی زبانیں بولنے والے اردو کے الفاظ بول سکیں۔

اس ضمن میں یہ بھی ایک حقیقت پیش نظر رکھنی چاہیے کہ یہ ضروری نہیں و تاکہ ایک علاقے کی زبان بولنے والا شخص دوسرے علاقے کی زبان کے الفاظ اور اصوات پر بھی کامل دسترس رکھتا ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ الفاظ اور اصوات کی ادائیگی کا تعلق ایک حد تک علاقے سے بھی ہوتا ہے۔ یہ ضروری نہیں ہو تا کہ کسی زبان کو ہر شخص اہل زبان کی طرح ہی بول سکے۔ اگر ایک زبان کا صوتی نظام ایسا ہے کہ اسے خطے کے سب لوگ آسانی سے ادا نہیں کر سکتے تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہو تا کہ زبان میں کوئی خامی ہے یا زبان کے حروف یا صوتیے ٹھیک نہیں ہیں۔

دیگر علاقے کے لوگوں کو مطلوبہ زبان بولنے میں درپیش مسائل کی وجہ علاقائی موسم اور دیگر وجوہات ہو سکتی ہیں۔ بعض اوقات موسمی کیفیات گلے کی کیفیت کو ایسا کر دیتی ہیں کہ اس کے لیے دیگر زبانوں کا بولنا یا دیگر زبانوں کے تمام الفاظ اور آوازوں کو ادا کرنا ممکن نہیں رہتا۔ ایسی صورت میں کسی زبان پر کوئی الزام عائد نہیں کیا سکتا۔ پاکستان کی طرح بعض خطوں میں کثرت سے زبانیں اور لہجے موجود ہوں تو وہاں قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ایک مرکزی زبان بولنے میں دور دراز کے علاقوں کے لوگوں کو مشکلات پیش آئیں گی لیکن یہ مشکلات فطری ہیں۔ مثال کے طور پر پاکستان کے شمالی علاقہ جات، یا شمال مغربی علاقوں کے رہنے والے کچھ لوگوں کو اردو کے تمام صوتیے اور حروف ادا کرنے میں مشکلات درپیش ہوتی ہیں۔ یہ مشکلات فطری اور عمومی ہیں۔ اس میں زبان کی کسی خامی کا کوئی ہاتھ نہیں ہے۔ اس حوالے سے ابو محمد سحر کا موقف ہے کہ

"کسی زبان کے حروف کے بارے میں یہ سمجھنا کہ ان کے اپنے ملک کے مختلف علاقوں یا دوسرے ممالک کے لوگ ہمیشہ اہل زبان کی طرح ادا کر سکتے ہیں درست نہیں۔ آب و ہوا کا اثر انسانی گلے کی ساخت پر پڑتا ہے، جس کی وجہ سے مختلف علاقوں اور دوسرے ممالک میں رہنے والے ہر آواز کی ادائیگی پر قدرت نہیں رکھتے۔ خاص طور پر کسی علاقے یا ملک کی مادری زبان میں کوئی آواز نہیں ہوتی تو اس کی ادائیگی اس علاقے یا ملک کے لوگوں کے لیے ناممکن یا دشوار ہو جاتی ہے"[۳]

گویا مادری زبان کے اثرات ثانوی زبان کے بولنے پر لازمی ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ اثرات کم بھی ہوسکتے اور زیادہ بھی۔ بعض اوقات دیگر مادری زبانوں کے بولنے والے لوگ کچھ الفاظ کو بالکل ادا ہی نہیں کر سکتے کبھی کبھار وہ الفاظ کو تو ادا کر لیتے ہیں لیکن آواز میں تبدیلی رونما ہو جاتی ہے۔ کبھی کبھار ایسا ہوتا ہے کہ کوئی آواز گلے میں پیدا ہی نہیں سکتی۔ یہ سب عمومی مسائل ہیں جو سب نئی اور ترقی یافتہ زبانوں میں موجود ہیں۔ اسی قسم کے کچھ مسائل اردو میں بھی ہمیں نظر آتے ہیں۔ ان سب مسائل کے باوجود اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ تمام ترعلاقائی زبانوں کو بولنے والے اردو زبان میں ابلاغ بھی کر سکتے ہیں اور اردو ابلاغ کو سمجھنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں۔ یہ صلاحیت اس وجہ سے بھی پیدا ہوگئی ہے کہ اردو نے مسلسل اپنے ذخیرہ الفاظ کو بڑھایا ہے۔ اردو نے تمام بین الاقوامی اور مقامی زبانوں کو اپنے ذخیرہ الفاظ میں شامل کیا ہے۔ جس کی وجہ سے اردو کی وسعت اضافہ ہو گیا ہے۔

اس وسعت پذیری کو بعض محققین نے تنقید کا نشانہ بھی بنایا ہے لیکن عمومی طور پر اس کا تاثر مثبت ہی رہا ہے۔ کیوں کہ زبان کی اس وسعت سے زبان کو بولنے اور سمجھنے والوں کے لیے آسانی پیدا ہوئی ہے۔ کسی بھی زبان میں ابلاغ میں آسانی اس زبان کی خوبی ہوتی ہے۔ اس میں منفی پہلو نکالنا درست عمل نہیں ہے۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اردو کی وسعت پذیری اس کا ایک مثبت پہلو ہے۔ اس پر تنقید کرنا درست نہیں ہے۔

بعض محققین نے اردو کچھ حروف تہجی بنا کر اردو کے صوتی نظام پر تنقید بھی کی ہے۔ حالانکہ یہ مسائل صرف اردو کے ساتھ منسلک نہیں ہیں بلکہ دیگر بھی کئی زبانوں کو یہ مسائل درپیش ہیں۔ بعض اوقات حروف تہجی کو کوئی مصنف یا شاعر ایسے انداز میں استعمال کر دیتا ہے کہ حروف کی اصوات میں خود بخود ثقل پیدا ہو جاتی ہے۔ ایسے ثقلیل الفاظ میں تخلیق کار کمی لا سکتا ہے۔ عموماً ثقل ادب پاروں میں ہی رونما ہوتا ہے ،عام بول چال میں ایسی قباحتیں دیکھنے کو نہیں ملتیں۔

مسعود حسن خان نے اقبال کی ایک غزل پر تبصرہ کرتے ہوئے اسی پہلو پر تنقید کی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ

"سات شعر کی اس غزل میں ق تیرہ بار آیا ہے اور چوں کہ خاتمے پر زیادہ تر ہے اس لیے اہل زبان تک کے حلق میں ادائیگی کے وقت گرہ پڑ جاتی ہے"[4]

اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ ق ایک ثقیل آواز ہے لیکن یہ ثقل نئے لوگوں کے لیے ہے جس کی مشق نہیں ہے۔ دوسرا معاملہ جو مسعود حسن خان نے اجاگر کیا ہے وہ یہ ہے کہ چوں کہ ق کی آواز تیرہ بار یعنی بکثرت آئی ہے اس لیے حلق میں گرہ پڑنے پر کوئی تعجب نہیں کیا سکتا۔ سوال یہ ہے کہ یہ ثقیل اصوات اگر اس قدر گراں ہیں تو ان سے جان کیوں نہیں چھڑالی جاتی ہے۔ معاملہ یہ ہے کہ اگر ان سے جان چھڑالی گئی تو اردو بہت سی ثقیل آوازوں سے محروم ہو جائے گی۔ یہ محرومی کسی بھی طرح اردو زبان کی ترقی کے لیے فائدہ مند نہیں ہو گی۔

اردو حروف تہجی اور اصوات کے حوالے سے ایک اور اعتراض جو ناقدین اٹھاتے ہیں وہ مرکب صوتیوں کا ہے۔ یعنی ھ لگا کر الفاظ سے نئی نئی آوازیں تخلیق کرنا۔ اس حوالے سے اعتراض میں کوئی حقیقت نظر نہیں آتی بلکہ یہ اعتراض برائے اعتراض یا تنقید برائے تنقید کی ہی ایک صورت ہے۔ کیوں کہ حروف یا اصوات کی کثرت سے کسی بھی زبان میں وسعت پید ہو جاتی ہے۔ اور اس کے بولنے والوں کے لیے آسانی پیدا ہوتی ہے۔ اس حوالے سے ابو محمد سحر نے لکھا ہے کہ

"اردو حروف تہجی کا ایک اور مسئلہ بھی جس کا تعلق صوتیاتی پہلو سے ہے وہ دو چشمی (ھ) ہے۔ اس کے اشتراک سے لکھے جانے والے حروف (بھ، پھ، تھ، جھ) کو مفرد حروف ماننے اور ان کو حروف تہجی میں داخل کرنے کا ہے"[۵]

دراصل اس اعتراض کی کوئی حیثیت نہیں ہے کیوں کہ اگر ایک آواز گلے سے پیدا کرنے کی صلاحیت قدرت نے انسان کو دی ہے تو اسے کسی حروف تہجی میں شامل کرنے میں کیا قباحت ہے۔

مفرد اور مرکب کے معاملے میں بھی کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اگر ان آوازوں کو حروف تہجی میں شامل کر لیا جائے تو کوئی قباحت نہیں ہے اگر انہیں الگ مرکب آوازیں تصور کرتے ہوئے الگ سے شمار کیا جائے تب بھی اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ اس سے زبان کی صحت یا الفاظ اور ان کے ابلاغ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس لیے یہ تنقید کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ اسی طرح کا ایک اعتراض فرہنگ آصفیہ میں بھی درج ہے سید احمد دہلوی نے فرہنگ آصفیہ کے حاشیے میں لکھا ہے

"اردو زبان کے لکھنے پڑھنے میں جو الف آتا ہے وہ عربی، فارسی، ہندی سب سے مشترک ہے۔ ہماری رائے میں اس کی آواز اس کے نام سے علیحدہ ہے۔ اس سبب سے نو آموز طلبہ اور غیر زبان والوں کو اس کے تلفظ میں دھوکا ہوتا ہے۔ اگر اس کا نام اَہوتا تو بہتر ہوتا۔"[۶]

حروف تہجی پر کیا جانے والا یہ اعتراض بنیادی طور پر صوتیے پر ہی ایک اعتراض ہے کہ جو آواز اس حرف سے پیدا ہو رہی ہے وہ حرف تہجی کے نام سے میل نہیں کھاتی۔ اگر اس اعتراض کو درست مان لیا جائے تو پھر کوئی زبان اور کسی بھی زبان کے حروف تہجی سلام نہیں رہیں گے۔ بے شمار ایسے حروف ہیں جن کے نام ان کی آواز پر دلالت نہیں کرتے۔ انگریزی میں ایسے H کی آواز چ کی ہونی چاہیے یا C کی آواز ث یا س یا ص ہونی چاہیے تھی۔ اس اعتبار سے یہ اعتراض کوئی معنی نہیں رکھتا کہ حروف تہجی اپنی آواز پر دلالت نہیں کر رہے ہیں۔ نئے طلبہ کے لیے تو ہر زبان کو سیکھنے میں اس قسم کے مسائل ہوتے ہیں۔ اصل مہارت ہی اس بات میں ہے کہ مطلوبہ زبان کے قواعد اور مزاج کو سمجھا جائے۔ یہی چیز تو سمجھنے والی ہوتی ہے۔ نئے طلبہ کے لیے حروف تہجی سیکھنا بنیادی کام ہوتا ہے۔ اردو کے حروف تہجی کی تفہیم بھی نئے طلبہ کے لیے کچھ مشکل کام نہیں ہے۔ ایک آدھ لفظ کی پیچیدگی کوئی معنی نہیں رکھتی۔

اگر دیگر زبانوں سے موازنہ کیا جائے تو اردو زبان میں زیادہ وسعت اور اس کی آوازوں میں زیادہ تنوع دیکھنے کو ملتا ہے۔ کیوں کہ اردو نے بھاری آوازوں یا مرکب آوازوں کو باقاعدہ ایک صوتیے کی شکل میں پیش کر دیا ہے۔ انگریزی کی طرح دیگر زبانوں میں چوں کہ اس قسم کی اصوات موجود نہیں ہیں اس لیے انہیں بعض اوقات دو دو آوازوں کو ملا کر ایک نیا لفظ بنانا پڑھتا ہے۔ مثال کے طور پر اردو میں چ ایک الگ حرف کی صورت میں موجود ہے جبکہ انگریزی میں یہ صوت تو موجود ہے لیکن اس کا کوئی نمائندہ حرف موجود نہیں ہے۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لیے انہیں دو حروف کو ملا کر ایک الگ لفظ بنانا پڑتا ہے۔ اسی طرح ش کے لیے بھی انہیں کبھی کبھار دو اور بھی دو سے زیادہ حروف کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ ان حقائق کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ اردو کے دامن میں وسعت موجود ہے۔ اور یہ ایسی وسعت ہے جو دیگر زبانوں کے پاس نہیں ہے۔

اس حوالے سے ابو محمد سحر کہتے ہیں کہ

"اردو حروف تہجی اپنی قائم صورتوں میں نہایت صاف اور سادہ ہیں۔ ان میں کوئی پیچیدگی نہیں ہے۔ اس لیے ان کو پہچاننا اور لکھنا بہت آسان ہے۔ ملواں شکلوں میں ان میں سے اکثر اپنی شکل بدلتے ہیں اور مختلف قسم کے جوڑ قبول کرتے ہیں جس

میں بعض دوسرے رسم الخطوں کی طرح دشواری پیدا ہوتی ہے لیکن اس حالت میں بھی بھی ان کی شکلیں پیچیدہ نہیں ہوتیں۔اور جگہ تو اس سے بھی کم لیتی ہیں جتنے مفرد حروف لیتے ہیں"۔

یہ اردو کی املا کا خاصا ہے کہ اس میں الفاظ کو جوڑ کر ہی لکھا جاتا ہے۔انگریزی میں اور بعض دوسری زبانوں کے رسم الخط میں ہر حرف کو الگ الگ لکھا جاتا ہے۔اس سے قرطاس پر جگہ زیادہ خرچ ہوتی ہے۔اس صورت میں وقت بھی زیادہ صرف ہوتا ہے لیکن اردو کا یہ معاملہ نہیں ہے۔اردو میں پورے حروف تہجی لکھنے کی بجائے محض ان کی علامات ہی لکھی جاتی ہیں، یہ علامات پورے پورے حرف کی نمائندگی کرتی ہیں اور پوری آواز دیتی ہیں۔یہ جامعیت اگرچہ اردو کی طرح کی دیگر زبانوں میں موجود ہے۔جیسے عربی، فارسی وغیرہ لیکن بعض یورپ کی زبانیں جیسے انگریزی وغیرہ میں اس قسم کی سہولت میسر نہیں ہے۔اُن زبانوں میں جوڑ کر لکھنے کے باوجود حروف پورے پورے ہی لکھنا پڑتے ہیں۔

اس سے دو طرح کے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔

اول تو یہ کہ زیادہ جگہ پر کم تحریر درج ہو سکتی ہے۔

دوم یہ کہ لکھنے میں وقت زیادہ لگتا ہے۔اس کے برعکس اردو میں یہ ان دونوں چیزوں کی بچت ہو جاتی ہے۔

اردو میں الفاظ کو جوڑ کر لکھنے میں تحریر کے حسن میں اضافہ ہو جاتا ہے۔اس طرح تحریر دیدہ زیب اور خوب صورت نظر آتی ہے۔

سید مسعود حسن رضوی ادیب نے اردو حروف کی وکالت کرتے ہوئے کہا ہے کہ

"اردو میں دنیا کی اور زبانوں کی طرح متحرک اور ساکن دونوں طرح کی آوازیں ہیں اور حروف غیر متحرک آوازوں کی علامتیں ہیں۔اس لیے حرفوں کے نام ایسے رکھے گئے ہیں جو آوازوں کی کسی حرکت کو ظاہر نہیں کرتے"[۸]

ان نکات کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اردو میں رسم الخط اور حروف کا نظام کسی بھی ترقی یافتہ زبان کے نظام سے کم تر نہیں ہے بلکہ یہ نظام بہت ترقی یافتہ ہے۔اگر ناموں پر غور کریں تو اردو زبان کے حروف کے زبانوں پر کوئی ایک حرکت نہیں آتی۔بلکہ یہ متحرک ہیں اور تینوں حرکات یعنی زبر، زیر اور پیش ان میں استعمال ہوئی ہیں۔اس لیے ہم اردو کے حروف تہجی کو متحرک ترین حروف تہجی کہہ سکتے ہیں۔اسی طرح یہ حروف بعض اوقات ساکن بھی نظر آتے ہیں۔ان کا یہ سکون بھی کلی نہیں ہے۔بلکہ وقتی یا جزوی طور پر ان میں سکون بھی آ جاتا ہے اور حرکت بھی آتی ہے۔اس طرح اردو کے حروف تہجی کسی بھی آواز کی نمائندگی کر سکتے ہیں۔اور قاری کو کسی قسم کی الجھن محسوس نہیں ہوتی۔

سید احتشام الحسن نے تو اردو کے رسم الخط کو اپنے عہد کا ترقی یافتہ ترین رسم الخط قرار دیا ہے۔اس عہد میں ہندوستان میں رائج دیگر رسم الخط اردو کی صوتی ضرورتوں کو پورا نہیں سکتے تھے۔اس لیے اردو کا اپنا رسم الخط اختیار کرنا پڑا۔جبکہ مقامی زبانیں اپنے رسم الخط تک محدود ہو گئی ہیں۔انہوں نے مزید لکھا ہے کہ

"ہندوستانی رسم الخطوں میں کوئی رسم الخط اختیار نہ کرنے کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ یہاں اس وقت کوئی معیار رسم الخط مستعمل نہ تھا، جو تھے ان میں بھی بہت سی صوتی علامتیں موجود نہ تھیں جو اردو زبان کی تشکیل میں شامل ہو چکی تھیں"۔[۹]

ان امور سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ اردو کا رسم الخط دیگر علاقائی زبانوں سے کہیں بڑھ کر ترقی یافتہ اور معیار ہے۔ اسی معیار کی وجہ سے اردو کو دیگر زبانوں کا سہارا لینے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ یہ بات واضح کرنا ضروری ہے کہ ذخیرہ الفاظ کے لیے تو اردو نے دیگر زبانوں کے اشتراک کیا ہے لیکن رسم الخط اور صوتی نظام کے حوالے سے اردو کو انفرادیت حاصل ہے۔

اردو کے صوتی نظام یا حروف تہجی پر اگرچہ پے در پے اعتراضات کیے گئے ان میں سے کوئی بھی نیا اعتراض نہیں ہے۔ بلکہ یہ وہی مسائل ہیں جو دیگر زبانوں میں اردو کی نسبت زیادہ پائے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ علاقے کی دیگر زبانوں سے تقابل کیا جائے تو اردو ان سے بہت آگے ہے۔ چاہے لسانی ڈھانچہ ہو، صوتی ڈھانچہ ہو یا ادب کی تخلیق کے معاملات ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو فطری طور پر برصغیر میں رابطے کی زبان بن چکی ہے۔ اگرچہ اس زبان کے رسم الخط کو قرآن کریم کے رسم الخط کے مشابہ قرار دے کر ایک مخصوص مذہب قرار دینے کی کوشش کی جاتی رہی ہے لیکن اس الزام میں کوئی صداقت نہیں ہے۔ اس لیے بہت جلد یہ الزام ابھی دم توڑ گیا اور رابطے کی زبان کے طور پر اردو کی اہمیت اپنی جگہ مسلم اور قائم رہی۔

حوالہ جات

۱۔ محمود شیرانی، حافظ، پنجاب میں اردو، اترپردیش اردو کادمی لکھنو، ۱۹۸۲، ص "ح"

۲۔ مولوی عبدالحق، قواعد اردو، ناز پبلشنگ ہاؤس دہلی، ص ۱۱

۳۔ ابو محمد سحر، اردو رسم الخط اور املا، ایک محاکمہ، ص ۱۲

۴۔ مسعود حسن خان، اقبال کی نظری اور عملی شعریات، ۱۹۸۳۔ ص ۷۸

۵۔ ابو محمد سحر، اردو رسم الخط اور املا ایک محاکمہ، ص ۱۵

۶۔ سید احمد دہلوی، فرہنگ آصفیہ، جلد اول، حاشیہ، صفحہ ۷۴

۷۔ ابو محمد سحر، اردو رسم الخط اور املا ایک محاکمہ، ص ۱۹

۸۔ سید مسعود حسن رضوی ادیب، اردو زبان اور اس کا رسم الخط، ص ۵۰